ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.7,Issue No.1 (2025)
(January to March)

سامراجی تصورات، کے کے عزیز کی نظر میں

(تصنیف "The British in India" کی روشنی میں)

Imperialistic Notions in the View of K.K. Aziz (In the Light of the Book the British in India)

محمد شعیب ستار

پی ایچ۔ڈی اُردو اسکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

ڈاکٹر رابعہ سرفراز

صدرِ شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Muhammad Shoaib Sattar
Ph.D Scholar, Department of Urdu, GC University, Faisalabad
Dr. Rabia Sarfraz(Corresponding author)
Chairperson, Department of Urdu, GC University, Faisalabad

Abstract:
Khursheed Kamal Aziz, better known as K.K.Aziz, was a Pakistani historian, Professor and writer. He admired for his books written in the English language. However, he also wrote Urdu prose and was a staunch believer in the importance of about the world. He had a profound love for words and writing. He authored reversal notable books are the modern history of the Muslims of the Indian subcontinent. He has a unique style of writing that stimulated reader's thought process. He wrote on many significant issue related to Pakistan and also came up with volumes of significant details on important dignitaries who helped in shaping the history of the Indian subcontinent. The British in Indian (A study in imperialism) is a notable work of K.K Aziz. Imperialism is the practice of extending a nations power over the countries or peoples. It can involve the use of military force, economic control or other forms of power K.K Aziz enlightens about the pros and cons of imperialism. He clearly described the intention behind imperialist's agenda. He tells us that imperialism has had a performed impact on many countries around the world, particularly in Indian. The imperialism impacts deeply to the colonized countries. In this article, in the eyes of K.K Aziz imperial concepts are clearly defined.

Keywords: K.K Aziz, historian, Imperialism, Colonialism, British, Indian subcontinent, imperialist's agenda, colonized countries.

انسانی تاریخ میں اس حقیقت کا حتمی سراغ لگانا ایک مشکل امر ہے کہ طاقت ور بنی نوع آدم کے کمزور بنی نوع انسان پر غلبہ حاصل کرنے کی روایت کتنی قدیم ہے۔ شاید یہ ایک حیوانی جبلت ہے جو بنی نوع انسان میں روزِ اول سے بدرجہ اتم موجود ہے۔ اکثر دانش مندوں اور مورخین نے طاقت ور کے اپنے سے کمزور پر غالب آنے کے عمل کو سامراجیت (Imperialism) کی اصطلاح سے

روشناس کروایا ہے۔ بادشاہیت، شہنشاہیت، ریاستیں، مذہبی اشرافیہ وغیرہ بھی کم زور پر طاقت ور کے غالب آنے کی عام مثالیں ہیں۔ ازمنہ قدیم کی انسانی تاریخ کے اوراق کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یونان، روم اور فارس کی حکومتیں مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یونان، روم اور فارس کی حکومتیں سامراجی طاقتوں کے روپ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ ان طاقتوں نے اپنی جغرافیائی حدود سے نکل کر کمزور اقوام کو اپنا مطیع اور باج گزار بنایا تھا۔ ان کے بعد عرب کی مسلمان ریاست نے بھی جہاں جدید ریاست کی بنیاد رکھی وہاں انھوں نے سامراجیت کے سبق بھی کامل طریقے سے سیکھ لیے۔ پندرھویں صدی عیسوی میں یورپی ممالک بالخصوص برطانیہ نے بھی سامراجی ہتھکنڈوں کو آزمانا شروع کیا اور مختلف ممالک پر بزورِ طاقت اقتدار قائم کیا۔ برطانوی سامراج نے جن خطوں میں اپنا اقتدار مستحکم کیا، ان میں ہندوستان بھی شامل ہے۔ برطانوی سامراج کی ہندوستان پر اقتدار کی داستان کے تناظر میں کے کے عزیز کی تصنیف "The British in India" لائقِ مطالعہ ہے۔ یہ تصنیف برطانوی سامراجیت کے مطالعے پر مبنی ہے۔

کے کے عزیز کا اصل نام خورشید کمال عزیز ہے۔ وہ برطانوی ہندوستان میں فیصل آباد کے نواحی قصبے بالم آباد میں ۱۱ دسمبر، ۱۹۲۷ء کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے گورنمنٹ کالج، لاہور، ایف سی کالج لاہور اور وکٹوریہ یونی ورسٹی آف مانچسٹر جیسے تاریخی اداروں سے اپنی تعلیم مکمل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ بطور استاد اپنے فرائض انجام دینے لگے۔ انھوں نے بین الاقوامی شہرت کی حامل جامعات میں پڑھایا۔ علاوہ ازیں وہ ستر کی دہائی میں "تاریخی اور ثقافتی تحقیق کے قومی کمیشن" کے سربراہ رہے۔ ان کی علمی و ادبی خدمات کے عوض انھیں حکومتِ پاکستان نے ۱۹۹۴ء میں صدارتی اعزاز برائے حسنِ کارکردگی کے اعزاز سے بھی نوازا۔ وہ ۱۵ جولائی، ۲۰۰۹ء کو اکیاسی برس کی عمر میں پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔ انھوں نے اردو اور انگریزی زبان میں پچاس سے زائد کتب تصنیف کیں۔ بطور مورخ، محقق، نقاد اور دانش ان کی خدمات کو فراموش کرنا ناممکن ہے۔ زمان خان ان سے متعلق چند حقائق ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

> "عالمی شہرت کے حامل محقق و مورخ پروفیسر خورشید کمال (کے کے) عزیز لائل پور کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں ۱۹۲۷ء کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے چالیس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔۔۔ ان کا تعلق بٹالہ کے ایک پڑھے لکھے خاندان سے ہے۔ ان کے والد بیرسٹر میاں عبدالعزیز مغل مورخ تھے۔ وہ پہلے ہندوستانی تھے جنھوں نے ہیر وارث شاہ کا سٹینڈرڈ نسخہ پہلی دفعہ چھپایا۔ ان کے دادا شیخ عبدالقادر، علامہ اقبال کے قریبی دوست تھے۔"(۱)

کے کے عزیز نے اپنی تصنیف بعنوان "The British in India" میں سامراجی نظام کو موضوع بنایا ہے۔ یہ تصنیف کل دس ابواب پر محیط ہے جس میں سامراجی نظام اور اس کے متعلقات پر جامع انداز میں بحث کی گئی ہے۔ پہلے دو ابواب میں سامراجیت کی تعریف کی گئی ہے۔ ان کے خیال میں یہ انگریزی زبان کا لفظ "Imperialism" ہے جو لاطینی زبان کے لفظ "Imperium" سے نکلا ہے جس کے معانی حکم یا غلبہ کے ہیں۔ یہ روم سے برطانیہ کی طرف آیا ہے۔ اس تناظر میں وہ لکھتے ہیں:

> "The three words, imperial, imperialism and imperialist, come from the Latin root imperium which means command or dominion." (2)

انھوں نے سامراجیت کے اصطلاحی مفاہیم کو بھی اس تصنیف میں بیان کیا ہے۔ ان کے مطابق سامراجیت در حقیقت کسی ایک ملک کا کسی دوسرے ملک پر غلبہ پانے یا حکمرانی کرنے کا نام ہے۔ اس تناظر میں ان کا یہ بیان غور طلب ہے:

> "Imperialism means the rule or dominion of one country over another country or area. The rule of one race over another is not an essential part of imperialism in its lexicographic sence." (3)

سامراجیت کے لغوی اور اصطلاحی مفاہیم بیان کرنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے سامراجیت کی ابتدا اور مختلف سامراجی قوتوں کا ذکر بھی سرسری انداز میں کیا ہے۔ مہذب انسانی تاریخ میں سامراجیت کا آغاز یونان سے ہوا۔ یونانیوں نے ایتھنز پر اپنا سامراجی نظام مسلط کیا۔ انھوں نے سامراجیت کے ساتھ ساتھ نو آبادیات پر بھی مفصل طور سے بحث کی ہے۔ ان کے نزدیک نو آبادیات (Colonialism) کی اصطلاح بھی سامراجیت کی طرح زیر دست پر زبردست کی بالادستی کی تشریح کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ سامراجیت اور نو آبادیات بہت سی خصوصیات کی بنا پر ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں اصطلاحات کا تعلق مقبوضہ خطوں یا مقبوضہ اقوام کے سیاسی، معاشی اور مذہبی معاملات سے ہے۔ نو آبادیات کی اصطلاح لاطینی لفظ کولونس (Colonius) سے ماخوذ ہے، جس کے معنی مویشی پالنے والے یا کاشت کاری کرنے والے کسان ہیں۔ اس لیے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ کسان اپنے مویشیوں سمیت جب کسی نئے خطے میں داخل ہوں تو وہاں کے مقامی باشندوں کی مدد، تعاون اور اتحاد کے ذریعے اقتصادی نشو نما پر توجہ دیں جو ان کے آبائی خطے کی معیشت کو استحکام عطا کر سکے۔ انھوں نے برطانوی نو آبادیاتی نظام کی اصل جڑوں کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی ہے کہ برطانوی در حقیقت یونانی سامراجیت سے متاثر تھے اور ان کا اصل مقصد تجارتی راستوں کو اپنے قابو میں کرنا تھا جس کے لیے انھوں نے دنیا کے مختلف ممالک اور اقوام کو اپنا باج گزار بنایا:

> "There were also other similarities between Greek and British imperil systems. Both, unlike the Roman empire, were based on command of the rea. Both has an element of colonialism, again unlike the Roman empire. The Greek and The British colonized parts of the empire and encouraged in these settlements a feeling of affection and loyalty for the mother country." (4)

اس تصنیف میں مصنف کی جانب سے برطانوی سامراج کی طویل تاریخ کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ برطانوی سامراج نے ملکہ الزبتھ نے عہد میں بڑے سمندروں، سونے کے ذخائر اور نئی منڈیوں کی تلاش کے لیے شمالی امریکہ اور مغربی جزائر کو اپنی کالونی بنانے کا ارادہ کیا۔ اس اعتبار سے شمالی امریکہ اور ویسٹ انڈیز وہ پہلی نو آبادیاں تھیں جو برطانوی سامراج کے قبضے میں آئیں۔ اس کے بعد انھوں نے مصر، ہندوستان وغیرہ جیسے بڑے ممالک پر اپنا سامراجی نظام قائم کیا۔ انیسویں صدی عیسوی کے پہلے ربع میں ہونے والی سامراجی جنگوں جن کو نپولینی جنگیں کہا جاتا ہے اور جو برطانوی سامراج اور فرانسیسی سامراج کے مابین لڑی گئیں، کے بعد سامراجیت کے دو دبستان سامنے آئے۔ ان میں سے ایک ان جنگوں کو فروغ دے کر طاقت کے ذریعے نو آبادیوں کو چھیننے کا قائل تھا جبکہ دوسرا نظریہ

تجارتی لین دین کا تھا۔ اس نظریے کے تحت سامراجی قوتیں باہمی تصادم اور ٹکراؤ کی حکمت عملی کو ترک کر کے ان نو آبادیوں سے زیادہ سے زیادہ تجارتی فائدہ حاصل کرنا اور خام مال کا حصول تھا۔ انھوں نے نپولین جنگوں کے بعد ابھرنے والے دونوں سامراجی دبستان (School of thoughts) پر یوں تبصرہ کیا ہے:

> "After the Napoleonic Wars there had been two school of thought about the colonies. The one did not talk or think much about the matter, but had made up its mind to maintain what remained of the First Empire and also to retain and consolidate the fruits of the Anglo-French wars. This we may call Old Toryism. Bentham was the prophet of the second school. People like Brougham and Cobden took his message 'emancipate your colonies' to heart. Colonies, they said, had been valu-able for the control of their trade. The acceptance of the doctrine of free trade had rendered them profitless." (5)

کے کے عزیز کے خیال میں سامراجیت کا بنیادی مقصد تجارت کے نئے مواقع کی تلاش تھا۔ برطانیہ اور دیگر یورپی سامراجی قوتوں نے نئی منڈیوں کی تلاش، خام مواد کے حصول اور زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے لیے مختلف اقوام کو اپنا مطیع بنانے کے لیے تگ و دو کی۔ یہ نو آبادیاں درحقیقت ان کے نزدیک نئی تجارتی منڈیاں تھیں جو ان کی اقتصادی ترقی اور معاشی افزودگی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی تھیں۔ تاہم آغاز میں انھیں اس مشکل کا سامنا کرنا پڑا کہ ایشیا، افریقہ اور مشرقِ بعید کے ان قدامت پسند باشندوں کو اپنا مطیع کیسے بنانا ہے، جن کے رسوم و رواج، سماجی زندگی، مذہبی پس منظر وغیرہ ان کے لیے کلی طور پر نئے تھے۔ ان مشکلات سے نمٹنے کے لیے انھوں نے ان اقوام ہی سے چند ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جو ان کے مقاصد پورے کر سکیں۔ یہ مقامی حکمران بظاہر اپنے ملک و قوم کے لیے کام کیا کرتے تھے لیکن درپردہ وہ برطانوی سامراج کے مفادات کے لیے اپنی توانائیاں صرف کرتے تھے۔ یہ پیسہ بنانے والوں، کاروباری افراد، تاجروں، برآمد کنندگان اور مل مالکان کے اشاروں پر ناچتے تھے۔ تاکہ مقامی خام مال اور مقامی سستے مزدور دن رات کام کر کے ان کی ضروریات پوری کر سکیں۔ یہ ان نو آبادیوں میں بڑے بڑے کارخانے لگاتے اور مقامی صنعتی مراکز کو ناکام بنانے کے لیے مختلف ہتھکنڈے آزماتے۔ یہ ان علاقوں میں ریلوے کا نظام بحال کرتے اور ذرائع آمد و رفت کو بہتر بنا کر مقامی باشندوں کو خوش کرنے کے ساتھ ساتھ وہاں تیار ہونے والی اشیا کو برآمد کرنے کے لیے بھی آسانی پیدا کرتے۔ لین دین کے نظام کو چلانے کے لیے ان علاقوں میں بینکاری کا نظام بھی متعارف کرایا جاتا تھا۔ اس ساری صورت حال کو سمجھنے کے لیے کے کے عزیز کا درج ذیل اقتباس خصوصی توجہ کا استحقاق رکھتا ہے:

> "Six groups or classes at once come in to sight. First, there were the makers of money: businessmen, traders, producers and industrialists. Fast- growing industries demanded colonial raw

> materials. Big investors and producers wanted safe markets. Shipping magnates, too, wanted markets and, in addition, imperial staging posts to keep the way clear, safe and, preferably, reserved to them."
> (6)

سامراجی قوتیں ان نو آبادیوں کو صرف تجارتی مقاصد کے حصول ہی کی خاطر استعمال نہیں کرتیں بل کہ دفاعی مقاصد اور نئے عسکری و جنگی محاذوں کے لیے بھی ان نو آبادیوں سے انسانی وسائل کا بے دردی سے استعمال کیا جاتا ہے۔ کے کے عزیز نے سامراجی قوتوں کے اس ہتھکنڈے کو بھی بے نقاب کیا ہے۔ یہ ان نو آبادیوں سے اپنی فوج کے لیے سپاہی بھرتی کرتے ہیں۔ انھیں سامراجی دفاعی اداروں کی وردی پہنا کر مختلف محاذوں پر بھیج دیتے ہیں۔ یہ قدامت پسند باشندے کسی واضح مقصد کے بنا محض ان سامراجی طاقتوں کی ایما پر ان کے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے جنگی محاذوں پر لڑتے ہیں۔ کے کے عزیز نے اس تناظر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی مثال بھی پیش کی ہے۔

فاضل مصنف نے اس تصنیف میں سامراجی قوتوں کی نمایندہ کمپنیوں جیسا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اثر و رسوخ بڑھانے کے مختلف طریقوں کو وضاحت کے ساتھ اس تصنیف میں بیان کیا ہے۔ یہ سامراج در حقیقت معاشرے کے با اثر افراد کے لیے بھی خاصی کشش کا حامل ہوا کرتا تھا جو معاشی طور پر مضبوط ہونے کی تگ و دو میں لگے ہوتے تھے۔ سامراجی طاقتیں ان نو آبادیوں کے دانش مندوں اور ہنر مند افراد کو ملازمتیں دے کر اپنے زیرِ بار احسان کر لیتی تھیں تاکہ انھیں کم سے کم مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے اور وہ اس سماج کے مجموعی مزاج اور تہذیبی و ثقافتی پہلوؤں سے بھی کماحقہ طور پر واقفیت حاصل کر سکیں۔ اسی لیے ایسٹ انڈیا کمپنی نے آغاز میں ہندوستان میں مختلف ادارے بنائے اور ان میں ماہوار معاوضے پر مقامی آبادی کے ہنر مندوں کو بھرتی کیا۔ فورٹ ولیم کالج کا قیام اور اس کالج میں ہندوستانی منشیوں کی بھرتی اس تناظر میں اہم مثال ہے۔ کے کے عزیز سامراجی قوتوں کی اس ذہنیت پر یوں گویا ہوتے ہیں:

> "The empire had a special attraction for the younger sons of influential but not-so-rich families for whom it provided an honorable career, In the eighteenth and early nineteenth centuries the roll of the servants of the East India Company is replete with young writers and residents who were nominated by the directors and their friends."(7)

سامراجیت کا ایک نمایاں پہلو سامراجی آقاؤں کے آبائی مذہب کا پھیلاؤ اور ترویج بھی ہوتا ہے۔ تاریخ میں جب بھی کسی سامراجی قوت نے کسی ملک یا قوم کو اپنا مغلوب بنایا ہے، تب ہی وہاں سامراجی آقاؤں کا مذہب تیزی سے پھیلا ہے۔ تاہم کے کے عزیز نے سامراجیت کے اس پہلو کو صرف ہندوستان میں برطانوی راج تک محدود رکھا ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے قدم جمانے کے بعد عیسائی مبلغین برطانیہ سے گروہوں کی شکل میں بھارت آئے اور انھوں نے مقامی باشندوں میں عیسائیت کی تبلیغ کا آغاز کیا۔ ان عیسائی مبلغین کو مقامی سامراجی قوتوں اور برطانوی حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ کے کے عزیز کا خیال ہے کہ سامراجیت میں غالب سامراجی قوت کا مذہب محکوم نو آبادی میں تیزی سے پھیلتا ہے۔ انھوں نے اس کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں۔

مقامی آبادی کا عام طبقہ معاشی، سماجی اور سیاسی مفادات کے حصول کے لیے سامراجی آقاؤں کے مذہب کو اختیار کر لیتا ہے تا کہ وہ بھی معاشرے میں باوقار اور خوش حال زندگی بسر کر سکیں۔ اسی لیے ہندوستان میں ہندو اور مسلمان جو مقامی آبادی کا بڑا حصہ تھے، کچھ نہ کچھ حد تک عیسائیت سے مرعوب ہوئے اور کئی لوگوں نے عیسائیت کو قبول بھی کر لیا۔ ان کا خیال ہے کہ سامراجی قوت یہ سمجھتی ہے کہ ان کا مذہب ہی واحد سچا مذہب ہے اور اخلاقیات کی بہتر تعلیم دیتا ہے۔ برطانوی سامراج بھی عیسائیت سے متعلق یہی سمجھتے تھے۔ بقول کے کے عزیز:

> "Christians had the right-it is permissible here of all the places to call it a Divine right-to rule the world not only because their religion was the only true one but also because their moral standards were the highest." (8)

مصنف کا ماننا ہے کہ ہر سامراجی طاقت کے پاس ایسے عالی دماغ افراد، دانش مند اور رہنما ہوتے ہیں جو ان کے سامراجی عزائم کی تکمیل میں معاونت فراہم کرتے ہیں۔ یہ لوگ سامراجیت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ مختلف ممالک اور اقوام کو مغلوب بنانے کے لیے حکمت عملی تیار کرتے ہیں اور مختلف افراد کی تربیت کر کے انھیں اس قابل بناتے ہیں کہ وہ نو آبادی کے مقامی باشندوں پر حکمرانی کر سکیں۔ اسی مقصد کے لیے وہ تحقیقی ادارے اور تعلیمی مراکز قائم کرتے ہیں۔ کے کے عزیز نے آکسفورڈ یونی ورسٹی، برطانیہ کی مثال بھی پیش کی ہے۔ جہاں ایسا لٹریچر تیار کیا جاتا تھا جو سامراجی نظام کی توسیع میں مدد دے۔ ایسے اداروں ہی سے بڑے بڑے سیاسی رہنما، محققین، ادیب، دانش ور، سائنس دان اور عسکری ماہرین مہارت حاصل کر کے نکلتے تھے اور برطانیہ کے سامراجی نظام کی فعالیت اور مضبوطی کے لیے کلیدی کردار ادا کرتے تھے۔ کے کے عزیز نے ان دانش مندوں کا ذکر مذکورہ تصنیف میں کیا ہے جنھوں نے اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں برطانوی سامراجی نظام کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔ ان میں جان رسکن، پالمرسٹن، جان برائٹ، جان برائس، سر چارلس ڈلکے، جیمز فراؤڈ، تھامس گارلے، سر جان سیلے، گیسل روڈز، گلیڈ سٹون، سر جیوٹ وغیرہ شامل ہیں۔ انھوں نے ان تمام شخصیات اور دانش مندوں کی سامراجیت کے تناظر میں خدمات اور کاوشوں کا ذکر بھی مفصل طور سے کیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ سر جان سیلے کا ذکر اور ان کی کاوشوں کو یوں بیان کرتے ہیں:

> "Sir John Sealy was not a creator of imperial thought but a popularizer of great ability and originality. Few books inspired by the imperialist movement enjoyed, in their own day, the prestige and success of his The Expansion of England (1883). The immediate influence of the book was remarkable." (9)

ادب انسانی جذبات و احساسات کا سلیقے سے اظہار کا نام ہے۔ انگریزی ادب کی روایات ہمیشہ شاندار رہی ہیں۔ یہ ایک طرف انسانی جذبات و احساسات کی ترجمانی بڑے موثر انداز میں کرتا ہے تو دوسری طرف سامراجی قوتوں کے پیغام کو پھیلانے کے لیے بھی

انگریزی ادب کا کردار کلیدی ہے۔ سامراجی قوتیں زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اثر انداز ہونے کے ساتھ ساتھ مقامی زبان و ادب کو بھی بھرپور انداز میں متاثر کرتی ہیں۔ اس کی بڑی مثال انگریزی ادب ہے جس نے برطانوی سامراج کے ہندوستان میں آتے ہی اردو ادب کو بھی متاثر کیا۔ اردو غزل کے ساتھ ساتھ اردو نظم کو فروغ ملا اور آزاد نظم میں بھی طبع آزمائی ہونے لگی۔ اس کے ساتھ ساتھ ناول اور افسانہ نویسی کے میدان میں بھی طبع آزمائی ہونے لگی۔

کے کے عزیز نے سامراجیت کے ایک مثبت پہلو کی سمت بھی اشارہ کیا ہے۔ اکثر سامراجی طاقتیں اپنی نو آبادی کو دیگر بیرونی سامراجی قوتوں سے بچاتی ہیں اور ان کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ جیسا کہ برطانیہ نے دونوں عظیم جنگوں میں جاپان اور جرمنی جیسی عالمی قوتوں کے حملوں سے ہندوستان کو بھی بچایا۔ اسی طرح سامراجی قوتیں اپنے بنیادی اور ثانوی مقاصد حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مقامی آبادی کی تربیت کرنے اور وہاں کے اداروں کو بہتر بنانے کے لیے بھی کام کرتی ہیں۔ یعنی بالواسطہ طور پر نو آبادیوں کو چند فوائد بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ جیسے برطانیہ نے ہندوستان میں بیوروکریسی، عدالتی نظام اور تعلیمی اداروں کی تربیت میں تکنیکی معاونت فراہم کی۔ اسی طرح مختلف حوالوں سے سامراجی قوتیں مغلوب قوم کے باشندوں کو متاثر کرتی ہیں۔ یہ ان کے لباس، زبان، طرزِ تعمیر، ادب، معاشی صورت حال اور دیگر پہلوؤں کو بھی متاثر کرتی ہیں:

> "Imperialism is a two. Way process. The rulers, partly through their regime but partly also by their sheer presence, make a deep imprint on the life of their subjects. In big things as in small, in ordinary everyday life as in the graceful frills of existence, in the sordid bargaining of the market place as in the cogitation in the sequestered clam of the towers of learning, in the heart of the simple, primitive villager at his plough as in the mind of the subtle, disputatious lawyer in the court, in cuisine as in dress, in language as in literature, in the making of money as in its spending-in everything and in every place the encounter leaves' its mark which outlives the imperial presence."(10)

کے کے عزیز اس حقیقت کو بھی آشکار کرتے ہیں کہ تمام سامراجی قوتیں ڈرا دھمکا کر اور زبردستی کمزور اقوام کو اپنا محکوم بناتی ہیں۔ یہ اپنی عسکری اور دفاعی طاقت سے کمزور ممالک پر سامراجی نظام مسلط کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ باہمی تنازعات، اقتدار کی کش مکش اور احساسِ محرومی کا بھی فائدہ اٹھاتی ہیں۔ تاہم ان سامراجی طاقتوں کو اس حقیقت سے شناسائی ہوتی ہے کہ کسی بھی قوم کو ڈر اور خوف یا زبردستی زیادہ عرصے تک اپنا مطیع اور باجگزار بنانا کسی طور ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے وہ نفسیاتی ہتھکنڈے آزماتی ہیں اور تقسیم کرو اور حکومت کرو کے اصول کے تحت کام کرتی ہیں۔ سامراجیت دراصل مغلوب قوم کی کمزوریوں اور ان کے اندرونی خلفشار اور جھگڑوں سے فائدہ اٹھانے کا نام ہے۔ برطانوی سامراج نے بھی ہندوستان میں یہی حربہ آزمایا۔ انھوں نے ہندو مسلم کے مابین دراڑیں ڈال کر اپنے اقتدار کو مستحکم کیا۔ انھوں نے مذہبی، لسانی اور ثقافتی جھگڑوں کو ہوا دی اور ہندوستانیوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا جس پر کے کے عزیز کا یہ کہنا بالکل قرین قیاس ہے:

> "British conquest of India was not the victory of an industrialized state over an unindustrialized one, for at the time of the conquest Britain was in its infancy as an industrial society. It was the victory of a stronger, determined, homogeneous, united nation over a weak, supine, heterogeneous, disunited society without a vestige of patriotic feeling." (11)

سامراجیت کے اثرات کو مٹانا انتہائی مشکل کام ہے۔ کے کے عزیز نے دعویٰ کیا ہے کہ سامراجیت کے تحت ادارے بنائے تو جاتے ہیں تاہم یہ ادارہ جاتی تشکیل سامراجی قوتوں کے ذاتی مفادات کے لیے ہوتی ہے۔ یہ غلام قوم میں سے چند افراد کا انتخاب کر کے انھیں احساسِ برتری میں مبتلا کر دیتے ہیں اور انھیں عام لوگوں سے حد فاصل قائم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہ افسر شاہی نظام کو مضبوط کرتے ہیں تاکہ دیسی باشندوں کو قابو کیا جاسکے۔ یہ ان کے اندر احساسِ محرومی اور احساسِ کمتری پیدا کر دیتے ہیں تاکہ یہ خود اعتمادی سے آزادی کا تقاضا نہ کریں۔ اسی لیے مابعد نو آدیات بھی وہی ذہنیت پنپتی رہتی ہے اور اس ذہنیت سے چھٹکارا پانا قطعی طور پر آسان نہیں ہوتا۔ اسی لیے کے کے عزیز کو کہنا پڑا:

> "The incubus of imperialism still possesses the ruler and the ruled of yesterday. The people of India and Pakistan need to be liberated from the instinctive and blind habit of allegiance to the legacy of imperialism: the tradition of seeing virtue in every article on display in the intellectual mart of the West." (12)

کے کے عزیز کی نظر میں سامراجی تصورات کا مجموعی اعتبار سے احاطہ کیا جائے تو فاضل مصنف نے سامراجیت کو برطانوی سامراجیت کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے سامراجیت کے لغوی اور اصطلاحی مفاہیم کو بڑی جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے ہاں مغربی سامراجی تاریخ کا بھی مفصل انداز میں جائزہ لیا گیا ہے۔ یونانی سامراج، رومی سامراج اور برطانوی سامراج کی تاریخ اس انداز سے بیان کی گئی ہے کہ قاری سامراجی تاریخ پر ان کے گہرے مطالعے و مشاہدے کی داد دیئے بنا نہیں رہ سکتا۔ ان کا خیال ہے کہ یورپی سامراج کی بنیاد درحقیقت قدیم رومی اور یونانی سامراج ہی پر رکھی گئی ہے۔ سامراجی طاقتوں کے مقاصد اور عزائم کو بھی انھوں نے کمال مہارت سے بیان کیا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ سامراجی طاقتیں اپنے معاشی مفادات کے حصول کے لیے کمزور ممالک پر سامراجی نظام مسلط کرتی ہیں۔ تاہم دیگر کئی خفیہ و اعلانیہ مقاصد بھی شامل ہوتے ہیں۔ ان سامراجی قوتوں کے دانش مند کمزور ممالک کو اپنا مطیع بنانے کے لیے نت نئی حکمت عملیاں بناتے ہیں اور بیانیہ تشکیل دیتے ہیں۔ جیسا کہ برطانیہ و دیگر یورپی ممالک نے دنیا کو مہذب بنانے کا نعرہ لگایا اور اسی بنیاد پر کئی ممالک کو اپنی نو آبادی بنالیا۔ ان نو آبادیوں پر سامراجی اثرات انمٹ ہیں جن سے چھٹکارا پانا خاصا مشکل کام ہے۔ یوں کہنا قطعی طور پر مبالغہ نہ ہوگا کہ کے کے عزیز نے برطانوی سامراج کی ہندوستان پر غلبے کے تناظر میں سامراجی تصورات کے متنوع پہلوؤں کو جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سامراجی نظام اور اس کے مختلف پہلوؤں کو جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سامراجی نظام اور اس کے مختلف گوشوں کو سمجھنے کے لیے مذکورہ بالا تصنیف بنیادی حوالے کی حیثیت رکھتی ہے۔

حوالہ جات

1. زمان خان، نامور محقق اور تاریخ دان کے کے عزیز (کالم)، مشمولہ: روزنامہ نیا دور، لاہور: ۱۱ مئی، ۲۰۲۰ء، ص: ۱۱
2. K.K. Aziz, The British in India, Lahore: Sang-e-Meel publications, 2007, P: 18
3. Ibid, P: 5
4. Ibid, P: 18
5. Ibid, P: 3. 4
6. Ibid, P: 29
7. Ibid, P: 31
8. Ibid, P: 40
9. Ibid, P: 77
10. Ibid, P: 219
11. Ibid, P: 255
12. Ibid, P: 256

References in Roman Script:

1. Zaman Khan, Namwar Muhaqiq or Tareekh Daan K.K Aziz (Kalam), Mashmoola: Roz Nama Naya Door, Lahore: 11 May 2020, P: 11
2. K.K. Aziz, The British in India, Lahore: Sang_e_meel publications, 2007, P: 18
3. Ibid, P: 5
4. Ibid, P: 18
5. Ibid, P: 3. 4
6. Ibid, P: 29
7. Ibid, P: 31
8. Ibid, P: 40
9. Ibid, P: 77
10. Ibid, P: 219
11. Ibid, P: 255
12. Ibid, P: 256